پشمینہ پوش(صوفی) نے پگڈنڈی پر چلتے اپنی رفتار تیز کی اور اپنارخ دائیں طرف کی تنگ پگڈنڈی کو کیا۔ یہ اشارہ بھی تھا ساتھ لیکن کبھی دو قدم پیچھے رہ جانے والے صومعہ نشین (تارک الدنیا) کے لیے کہ جلدی سے اپنارخ اس بائیں طرف کی پگڈنڈی سے پھیر لو اور پشمینہ پوش نے یہ کوشش بھی کہ صومعہ نشین کی نظر اس گاؤں کی طرف نہ اُٹھے جسے سماج "پنڈ ہاساں" کے نام سے جانتا ہے اور ان کی جماعتوں میں وہ کسی اور ہی نام سے جانا جاتا ہے۔

مشیت ایزدی سے دھتکار دیا گیا۔۔۔ آخر کار دھتکار دیا گیا۔۔۔ "پنڈ ہاساں"

"یہ راستہ ہمیں لمبا پڑے گا۔۔۔ ذرا دور نظر آتے اس گاؤں کی قریبی مسجد میں قیام کر لینا چاہیے۔۔۔ رات ہو چکی ہے۔۔۔"

"ہاں! راستہ لمبا پڑے گا۔۔۔ رات ہو چکی ہے۔۔۔ ذرا دُور نظر آتے اس گاؤں میں قیام پھر بھی ممکن نہیں۔۔۔ ہمیں آگے چلنا چاہیے۔"

" دُور دُور تک کوئی گاؤں نظر نہیں آتا سوائے اس بائیں ہاتھ والے گاؤں کے۔"

"اگر وہ قریبی ہوتا تو دائیں رخ ہوتا۔۔۔ جلدی چلو کہ یہاں سے دُور ہو جائیں۔"

"کیا ہم اس گاؤں میں قیام نہیں کر سکتے؟"

"ایک ساعت کے لیے بھی نہیں۔۔۔ یہ حضرت انسانوں کی گرہستی ہے یہاں قیام تو دُور کی بات گزر کی بھی اجازت نہیں۔"

صومعہ نشین کو یہ سن کر بے چینی سی ہوئی۔ اسے چراغوں کی روشنی لیے، چراغاں چراغاں ہوئے گاؤں کی قسمت پر افسوس ہوا۔ اس سے پہلے انھوں نے چھوٹے بڑے ہر گاؤں، چک میں قیام کیا تھا۔ انھوں نے ایک ایک نماز ان قیاموں میں ادا کی تھی اور گاؤں والوں کو دعائیں دیتے رخصت ہوئے تھے۔

تو کیا پنڈ ہاساں کو آباد رکھنے والوں کے لیے پشمینہ پوش کوئی دعا نہیں رکھتا۔۔۔ کیا خدا کی کسی رحمت کی نوید وہ انھیں نہیں دینا چاہتا۔۔۔ کیا وہ ہدایات کے کچھ باب انہیں اپنی روشن آواز سے نہیں سنانا چاہتا اور کیا وہ نبیوں کے ذکر سے یہاں والوں کی آنکھیں نہیں بھگونا چاہتا۔"

محترم ہستی نے اس کا رخ کرنے کے بجائے اسے اپنی پشت دکھائی کیا وہ یہی طے کر کے نکلا تھا۔۔۔

صومعہ نشین نے حکم سے سر تابی نہیں کی کہ یہ اللہ کے راستے پر چلنے والوں کا شیوہ نہیں ہوتا اس نے پشمینہ پوش کے قدموں کی پیروی کی اور دھرتی کے کناروں سے اٹھتی آواز پر احترام بجا لایا کہ دنیا دنیا داروں کا دانہ ہے اور دنیا دار ہی اسے چکتے ہیں۔ ولی اسے جلا کر پھلانگ جاتے ہیں وہ اس دانے تلے پیچھے جال میں نہیں آتے۔"

"دنیا حضرت انسانوں کی گرہستی۔۔۔ پنڈ ہاساں اس گرہستی کی ایک نکڑ۔۔۔"

نکڑ کے اس گاؤں میں صرف ایک ہی گھر ایسا ہے جسے لکڑی کا بڑا پھاٹک بند کرنے کی ضرورت نہیں۔۔۔ اس گھر میں کوئی بھی آ جا سکتا ہے۔۔۔ دن کے کسی پہر۔۔۔ رات کے کسی پہر۔۔۔ وقت تہجد۔۔۔ وقت سحر۔۔۔ دن چڑھے۔۔۔ دن ڈھلے۔۔۔

یہ ایک آستانہ گھر ہے۔۔۔ کسی بھی وقت آؤ۔۔۔ ضرورت پوری کر جاؤ۔۔۔ پھر آؤ۔۔۔ پھر اپنے برتن بھر جاؤ۔۔۔

ابھی بھی سیری نہیں ہوئی۔۔۔ پھر آؤ۔۔۔ پھر آؤ۔۔۔ آتے جاؤ۔۔۔ جب تک سیری نہ ہو جائے۔۔۔ سیری ہو جائے تب بھی آؤ۔۔۔

اس آستانہ گھر کا مالک صدری، سرمئی شلوار پر اپنے مرحوم باپ کا مٹیلا سفید شلوکا پہنے اور سر پر باپ کے ہی چار خانوں کے پرنے کی پگڑی جمائے اپنے کتے کے ساتھ گلی گلی گھومتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں غلیل ہوتی ہے اور وہ جہاں بھر کی چڑیوں، کوؤں کے نشانے لیتا پھرتا ہے۔

نہیں وہ انھیں مارتا نہیں ہے۔ وہ اتنا زبردست نشانچی بن چکا ہے کہ اس کی غلیل سے نکلا باریک سا پتھر کسی چڑیا کے پر کو چھو کر نہیں گزرتا۔ اسے اچھا لگتا ہے جب پتھر کے قریب سے انتہائی قریب سے گزرنے پر پرندے پھر سے اُڑ جاتے ہیں۔ اسے ان کی پرواز پیاری ہے اور ان کے پروں کی پھڑ پھڑاہٹ اس پر وجد طاری کرتی ہے۔ وہ یہ کھیل ان کی رضامندی سے کھیلتا لگتا ہے کہ جیسے اڑنے والوں اور اڑانے والوں میں بس یہی طے ہے کہ بس یہ طے ہے۔ یہی اس کا مشغلہ ہے اور وہ ضارب نہیں ہے۔۔۔ قطعاً نہیں۔۔۔ ایسا سوچ لینا بھی گناہ ہے۔۔۔ جو سچائی جانتے ہیں وہ خوب جانتے ہیں، اور جو وہ جانتے ہیں وہ کوئی اور کیسے جانے۔۔۔

گاؤں کے لوگ اس کے باپ کو "ولی" کہہ دیا کرتے تھے اور اگر تھوڑی دیر کو محکم الدین کو ولی مان ہی لیا جائے تو صدری کو ضارب کیونکر مانا جائے۔۔۔؟

ایک بار اسے گمان ہوا کہ اس کی غلیل سے نکلے باریک پتھر نے ننھی منھی چُوں چُوں کرتی چڑیا کے سر کو چھوا۔ اسے یہ گمان یوں ہوا کہ پُھر اڑنے سے پہلے چوں۔۔۔ ہوں میں بدلی۔۔۔ ہوں۔۔۔ آہ سی۔۔۔

اس نے غلیل کو شلوکے میں ڈھونسا اور ایک ایک چڑی کے پیچھے بھاگا اور ایک ایک درخت کے نیچے سانس روک روک کھڑا ہوا۔۔۔ دم سادھے چڑیوں کی چوں چوں سنتا رہا کہ کس چڑیا کی چوں میں ہوں گھلی ہے۔۔۔

دن ڈھلا۔۔۔ رات آئی۔۔۔ سحر چھائی۔۔۔

صدری درختوں کے نیچے اس ہوں کے انتظار میں رہا۔ گاؤں کے چند لوگ اسے گھر چلنے کا کہنے کے لیے آئے لیکن اس نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر انھیں خاموش رہنے کا کہہ کر چلتا کیا۔

پھر صبح سویرے جب چڑیاں رات کے اختتام پر دن کی آمد سے خوشی سے پُھر پُھر جھومنے کی تیاری کرنے لگتی ہیں اور آکاش کے گلے مل جانا چاہتی ہیں اس وقت صدری نے ایک ایک درخت کے نیچے جا جا جہاں چڑیوں کے جھنڈ بیٹھے تھے غلیل میں پتھر رکھ رکھ اپنے پیروں پر مارے کہ لو اے پیاری چڑیا جسے میں

نے تکلیف دی اس کا میں حرجانہ دیتا ہوں۔۔۔ تم مجھے معاف کر دو۔۔۔

پیاری چڑیا نے اسے معاف کر دیا۔۔۔ وہ سب صدری کے سر کے اُوپر پھڑ پھڑانے لگیں۔

اسی لیے سب اسے عقل سے پیدل کہتے تھے۔ کیسا پیارا عقل سے پیدل تھا وہ۔ کتنے عقل والوں کی عقل سے من موہنا تھا وہ۔۔۔ گاؤں کی گلیاں پیدل گھومنے والا۔۔۔ کبھی اس منڈیر، کبھی اس منڈیر بیٹھا رہنے والا۔۔۔ گاؤں کے چھپر میں پیر ڈبو کر اُونچی آواز میں محکم الدین سے سیکھا کلام فرید پڑھنے والا۔۔۔

وہ گاؤں کے پرندوں سے ہمکلام ہوتا ہے اور سر اُٹھا کر انھیں تکا کرتا ہے۔ اس کے علاوہ اسے ایک اور چیز سے مطلب رہتا کہ اس کا کتا دم ہلاتا رہے اور اس کے ساتھ ساتھ رہے۔ وہ کتا جو ایک دن اچانک ہی اس کے ساتھ ہو لیا تھا۔ جانے وہ کہاں سے آیا تھا، چند دن صدری کے ساتھ رہ کر وہ "صدری کا کتا" کی شناخت سے پہچانا جانے لگا تھا۔

ساتھ کے گاؤں کا چوہدری اس کتے پر فدا ہو گیا اس نسلی بھیڑیئے نما کتے کو صدری کے ساتھ دیکھ لیا تھا اور اب اسے وہ کتا چاہیے تھا۔ اس کا کارندہ آیا کتے کے گلے میں پٹا ڈال کر لے جانے، صدری سے پوچھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ صدری سوال جواب کے دائرے سے باہر کی مخلوق تھا۔ اس کے کتے کے گلے میں پٹا ڈالا جارہا تھا اور وہ سر اُٹھائے پرندوں کو دیکھ رہا تھا۔ کتے نے بھونک بھونک کر گاؤں اکٹھا کر لیا لیکن صدری یوں خاموش رہا جیسے کہہ رہا ہو دیکھ میں تیرا مالک نہیں، جو تیرا مالک ہے اب اس کا فیصلہ مان۔ تو آیا تھا یہ اس کا فیصلہ تھا اب جارہا ہے تو یہ بھی اس کا فیصلہ ہے، یوں بھونک نا۔"

کارندے اسے اپنے ساتھ لے گئے اور ایک ہی رات میں چوہدری کا اس سے دل بھر گیا۔۔۔ اور کتا صبح دم صدری کے ساتھ تھا پھر سے۔۔۔

سنا تھا کہ چوہدری کے باڑے میں وہ تباہی مچی تھی کہ باڑے کے تین ملازم شہر ہسپتال لے جانے پڑے تھے۔ چوہدری نے اپنے اہل خانہ کے ساتھ گھر کے گودام میں چھپ کر جان بچائی۔۔۔ ٹھیک ہی کہتا تھا پھر چوہدری کتا نسلی بھیڑیا ہی تھا۔

صدری نے کبھی کتے کو اس نظر سے نہیں دیکھا تھا کہ "یہ میرا ہے"۔

جو شلوار، شلوکا، پگڑی اس کے تن پر تھی وہ اس کے باپ کی تھی۔ جو غلیل اس کے ہاتھ میں تھی وہ مجید ترکھان کی تھی جو آج سے کئی سال پیشتر اس نے بنا کر دی تھی، اس کے پاس کچھ نہ تھا، اسے سب دیا گیا تھا، بناء مانگے۔۔۔

سارا دن کھیتوں، کھلیانوں، میدانوں، ٹیلوں، گلیوں میں پھرتا پھراتا وہ دن کو شام کرتا۔ بھوک پیاس لگتی تو گاؤں کے کسی بھی گھر کا دروازہ بجا کر کھڑا ہو جاتا اور اسے روٹی دے دی جاتی بلکہ یہ نوبت کم ہی آتی اسے روک کر روٹی کھلا دی جاتی۔

گاؤں والے بہت اچھے تھے۔ وہ بھی بہت اچھا تھا اور اس اچھے کی اچھی شیاما گائے کو دن بھر کوئی نہ کوئی اچھا چرا تا پھرتا۔ اسے خبر نہیں ہوتی تھی کون بس گائے کا پیٹ بھرا ہوتا۔ اسے چھپر میں نہلایا ہوتا۔ شام کو اس کے کھلے پھاٹک کے گھر میں اسے گھونٹے سے باندھا ہوتا۔۔۔ اس کا دودھ دھویا ہوتا۔۔۔

ہمیشہ سے یہی ہوتا آیا تھا۔۔۔ محکم الدین کی زندگی میں بھی۔۔۔

اس کی موت کے بعد بھی شیاما گائے محکم الدین کے گھر تھی لیکن وہ گاؤں والوں کی تھی، انھی کا پیٹ بھرتی تھی۔

اس گائے بارے مشہور تھا کہ اس نے محکم الدین کی بزرگی پر مہر ثبت کی تھی۔ محکم الدین ایک سائیں ملوک بندہ تھا۔ صدری کے بعد بیوی مر گئی تو خدا اسے لو لگالی۔ کہتے ہیں اس نے مردہ وجود کے پہلو میں زندہ وجود کو پڑے دیکھا تو دیوانہ سا ہو گیا۔ بند آنکھوں کے پہلو میں زندہ آنکھیں، اور نوری کے پہلو میں بے نور ہو چکی آنکھوں کو دیکھ کر اس کی جون بدل گئی۔ اس نے اپنے گھر کا سب سامان تقسیم کر ڈالا۔ اور شہر جا کر مزدوری کرنے کی بجائے بان بٹنا شروع کر دیا۔ وہ صرف اتنا ہی کام کرتا جس سے دو لوگ دو وقت کی روٹی کھا سکیں۔

ان کے گھر میں گاؤں والوں کا آنا جانا بہت کم تھا۔ ایک تو ان کے گھر میں کوئی عورت نہیں تھی دوسرا محکم الدین سننے میں فیاض تھا لیکن بولنے میں

نہیں۔۔۔بان بٹوانے جو لوگ آتے کھڑے کھڑے اپنا مدح بیان کرتے اور چلے جاتے۔ایسے شخص کے پاس آخر کوئی کیوں بیٹھے جو دنیاداری کی کوئی بات نہیں کرتا، اور بات کرو بھی تو جواب نہیں دیتا۔ جسے تیر میر سے کوئی لینا دینا نہیں اور جو سر کو ایسے جھکا کر رکھتا ہے جیسے خدائی پیغامات جو اس پر الہام ہو رہے ہوں پر غور و فکر کر رہا ہو۔

وہ اسے بان پر بان دیتے جاتے اور اجرت دینا بھول جاتے۔ آخر ایسے سائیں ملوک بندے کو اجرت کی ضرورت ہی کیا ہو گی جس کے گھر میں کھانے کے چند برتن تھے اور جو پیوند لگے کپڑے پہنتا تھا۔

ایک رات محکم الدین کے آدھ کھلے پھاٹک سے ایک گائے اندر آئی اور احاطے میں ڈکارنے لگی۔ وہ ڈھور ڈنگر کے شوقینوں کے دل کی حسرت اور ان کی آنکھوں کا تارا اور خواہش کا ارمان شایا گائے تھی۔

شیاما اور اس جیسے سائیں ملوک کے گھر میں جو مٹی کے پیالے میں پانی پیتا ہے اور ایک وقت کی روٹی پیاز یا مرچ سے کھاتا ہے۔

صبح ہوتے ہوتے مانو جیسے سارا گاؤں محکم الدین کے احاطے میں میلہ لگا کر اکٹھا ہو گیا کہ جیسے کہتا ہو

"ایسی چالاکی بابے دین۔۔۔فقیری چولا اوڑھنا اور بادشاہی عیاشی کرنا۔۔۔ایسی چالاکی۔۔۔چھپے رستم۔۔۔"

بابے دین نے جیسے ہاتھ جوڑ جوڑ سب کو بتایا کہ " جانے کس کی ہے آدھی رات کو اندر آکر ڈکارنے لگی۔۔۔جس کی ہو گی آکر لے جائے گا، ایسے اپنے ڈنگر کو کون چھوڑتا ہے۔"

"ایسے کیسے آگئی۔۔۔ہاں بابے دین کا پھاٹک جو کھلا رہتا تھا۔۔۔"

وہ پھاٹک بند ہی کیوں رکھے۔۔۔جو گھر کے اندر تھا اسے بھی گھر سے باہر کرنے میں اسے تامل نہ تھا۔

گاؤں والوں نے جیسے اپنے سینے مسلے۔۔۔

ہائے ان کے گھروں کے پھاٹک کیوں نہ کھلے رہے۔۔۔کوئی الہام ہی ہو جاتا انھیں، کوئی خواب ہی آجاتا، کوئی پیر فقیر انہیں اشارہ دے جاتا۔۔۔اب اگر اس کا مالک نہ لینے آیا اسے تو۔۔۔تو۔۔۔تو یہ بابے دین کی ہوئی نا۔۔۔کاش رات کوئی چور ہی آجاتا کہ گھر کو کواڑ تو کھل جاتا۔

گاؤں والوں کی آنکھیں، منہ پانی سے تر بتر تھے۔ لڑکے بالے، سیانے بیانے سبھی شیاما گائے کے گرد گھوم گھوم اسے نظر لگا رہے تھے، اس کی نظر اتار رہے تھے۔

کیا قد کاٹھ تھا۔۔۔کیا ڈیل ڈول تھا۔۔۔ایسے کہ گایوں کی ملکہ مہارانی کھڑی ہو۔۔۔اور ایسی کہ ابھی تاج پوشی کروا کر آئی ہو۔۔۔بابے دین کے مزے بیٹھے بیٹھائے مہارانی صاحبہ مل گئیں۔۔۔تف ہے اور سوؤ کواڑ بند کر کر جیسے خزانوں کے کھل جا سم سم غار ہوں کہ کھل جانے پر خزانے ہی لٹ جائیں گے۔۔۔لٹ گیا نا خزانہ۔۔۔

گاؤں بھر میں جیسے انگارے بچھ گئے۔ گاؤں والوں کا چین و قرار گیا۔ آخر اس کا مالک آ کیوں نہیں جاتا۔ اور ایسے گائے کا مالک کیا ایسا ہی لاپرواہ تھا کہ گائے کھونٹا کھول کر بابے دین کے کھونٹے سے آلگی اور وہ بے خبر ابھی تک بے خبر ہی ہے۔۔۔

اب سب کی آنکھیں راہوں راہ ہوئیں کہ دیکھیں کب آس پاس کے گاؤں، چکوں، قصبوں سے گائے کے مالکان آتے ہیں لیکن وہ تو آتے ہی نظر نہ آتے تھے۔

جب تک گائے بابے دین کے احاطے میں تھی اور اس کا مالک نہیں آجاتا تھا عورتوں نے اپنے اپنے برتن دودھ سے بھر لئے تھے۔۔۔اور جب انگلی ڈبو ڈبو وہ دودھ کو زبان کے تالو سے لگاتیں تو جیسے اپنی چیخ دباتیں۔۔۔

بتاؤذرااس دُودھ میں کیاگھلاہے۔۔۔غضب خداکاکیایہ زعفران کھاتی رہی ہے یامشک نافہ اس کے منہ میں انڈیلی جاتی رہی ہے اور کیایہی مثل آب طہور ہے جسے بہشت میں نوش فرمانانصیب ہوگا۔۔۔دُودھ ہے کہ دُودھ کے نام پر کچھ اور؟

گاؤں کی قابل تکریم اور سیانی عورت سارادُودھ دُھوتی اور پھر حصے سے تقسیم کر دیتی کہ کوئی لڑائی نہ ہو کسی میں۔اور سب اس تقسیم پر راضی بہ رضاہوئے کہ جیسے بابے دین کی طرح وہ بھی سائیں ملوک ہی ہیں۔انہیں دنیاداری سے کوئی لینادیناہی نہیں، حریص پر وہ پورے دل سے لعنت ملامت کرتے ہیں۔

دوگلاس دُودھ بابے دین اور صدری کے لیے رکھ چھوڑا۔پر جب بابے نے اپناگلاس بلیوں کے کٹورے میں انڈیل دیااور انھیں پچکارتے ماں کی طرح دُودھ پلانے لگاتوسیانی نے ایک گلاس دُودھ شام کورکھا۔جس کی بوند بوند پر گاؤں والے مر رہے تھے بابااسے بلیوں کوپلارہاتھا۔۔۔ہے ہی کملامحکم الدین۔۔۔

عورتوں نے اس دُودھ کوگھونٹ گھونٹ بڑی عقیدت سے پیاجیسے وہ آب زمزم ہو۔۔۔ایک گھر میں لڑکی کی شادی ہونی تھی جمعے کو تو اس کی ماں نے سارادُودھ اس کے لیے رکھ چھوڑاکہ پی کر رنگ روپ نکل آئے گاجل ککڑی کا۔۔۔ایک نے ساتھ کے گاؤں اپنے میکے بھی بھجوایایہ پیغام دے کر کہ گھونٹ گھونٹ سب پی لو اور پھر بتاناکہ کیاکبھی ایسادُودھ پیاہے۔؟

پیغام کاجواب آیا" نہیں" اور سوال آیا" اور ملے گا؟"

اگلے دن کی رات بھی آن پہنچی توجیسے سب نے شکر کاسجدہ اداکیاکہ گائے کامالک نہیں آیا۔البتہ عورتیں رات کواٹھ اٹھ کر لالٹین لے کرگھروں کی چھتوں پر کھڑی ہوہو کر گاؤں کی اور آنے والی پگڈنڈیوں کوگھورتی رہیں کہ کہیں کم بخت مارے، ٹٹ پینے مالکان آدھی رات کوہی نہ آدھمکیں اور وہ ایسی دلاری گائے کو جاتاہوانہ دیکھ سکیں۔

"گائے یہیں رہ جائے" یہ دعائیں کی گئیں۔

"شیاماکے مالکان مرمراجائیں یہ بددعائیں بھی کی گئیں۔"

فی الحال گائے وہیں رہ گئی۔۔۔فی الحال شیاماکے مالکان مرمراگئے ہوئے لگتے۔۔۔

گھرگھر میں شیامازیر موضوع تھی۔۔۔حقے گڑگڑاتے چوپال میں۔۔۔گھی لگی چوپڑی روٹی کھاتے چولہوں کے پاس۔۔۔کھیس کی بکل مارے گڑکی ڈلیاں کھاتے کمروں میں۔۔۔دھوپ سینکتے احاطوں میں۔۔۔

یہی سب گاؤں والے۔۔۔سبھی، عورتیں، بچے، مرد، بوڑھے، سیانے، انجانے، مستانے اتنے محتاط تھے کہ انھوں نے گائے کاذکر گاؤں سے باہر جانے ہی نہیں دیاکہ مبادااُڑتی اُڑتی خبر گائے کے مالک تک جاپہنچے۔۔۔اور۔۔۔اور۔۔۔

کسی کے گھر کوئی مہمان آتاتواس سے بھی ذکر نہ کرتا۔کوئی مہمان بن کر جاتاتو بھی نہیں۔اور تواور گاؤں میں بیاہی آئی بہوؤں نے اپنے میکے والوں کو پھنک بھی نہ پڑنے دی اور دوسرے گاؤں، چکوں میں بیاہ دی گئی بیٹیوں کے میکے والوں نے انہیں بھی اس قابل نہ سمجھا۔۔۔

وہ سب شیاماکادودھ پی چکے تھے اور اس پر حلف لے چکے تھے۔۔۔اس کی بوند بوند پران کاحق تھاکسی غیر کانہیں۔۔۔

گاؤں کی تاریخ میں یہ پہلاواقعہ تھاکہ سب میں ایسااتفاق تھاکہ بناکہے، بناکسی پنچائیت کے فیصلے کو سنے سب کو یہ معلوم تھاکہ شیاماکولے کرانھیں کیاکیااحتیاطی تدبیریں کرنی ہیں اور انھوں نے قسم کی طرح کی بھی جیساکہ بابے محکم الدین نے سب سے کہاکہ آس پاس کے گاؤں، چکوں، میں منادی کرواآؤکہ ایسے ایسے ایک گائے اس کے گھر آگئی ہے جس کی ہے آکرلے جائے۔

اور انھوں نے منادی کروادی۔۔۔اپنے کانوں سے اندر، نفسوں کے پار۔۔۔لیکن چکوں، یاگاؤں میں نہیں۔۔۔

اب گاؤں کے سیانے بیانے پاگل تھوڑی ہی تھے بابے دین کی طرح کہ جاجایہ منادی کرواتے کہ اپنی گائے یعنی شیامالے جاؤجس کسی کی بھی ہے۔۔۔عورتوں

نے تو مردوں کو اپنی قسمیں دیں کہ خبردار جو منادی ومادی کروانے اِدھر اُدھر گئے۔۔۔اور مردوں نے ان قسموں کی لاج یوں رکھی کہ نہ منادی کروائی نہ ومادی۔۔۔

کئی دن گزر گئے کوئی آیا نہ گیا۔۔۔

ایک دن محکم الدین خود ہی گیا اسے کچھ شک سا تھا۔ بھلامانس سا تھا شک بھی گناہ سمجھ کر کرتا تھا۔ اس لیے ٹھیک طرح نہ کر سکا اور چل پڑا۔

گاؤں والوں نے اپنے سینے پیٹے، انھیں معلوم ہو گیا تھا کہ سالوں بعد محکم الدین اپنے حجرے سے کیوں نکلا ہے۔ بہر حال انھوں نے گائے چھپا دی کہ اگر محکم الدین مالک لے آیا تو کہہ دیں گے کہ " ہمیں کیا پتا گائے کھونٹا تڑوا کر کہاں نکل گئی۔ جیسے آئی تھی ویسے چلی گئی۔۔۔ ہمیں کیا پتا۔"

پر یہ کہنے کی نوبت نہ آئی محکم الدین رات کے پہلے پہر مایوس سا واپس آیا۔ مسجدوں میں اعلان کروا آیا تھا۔ گاؤں کے سیانوں کو بتا آیا تھا لیکن کسی کو جیسے گائے کے ذکر میں دلچسپی نہیں تھی۔۔۔ یا یوں کہ یہ کون پاگل ہے جو گھر آئی گائے کے مالک کو ڈھونڈ رہا ہے۔۔۔ کوئی سائیں ملوک ہے۔۔۔ ہانک رہا ہے۔۔۔

خدا جانے گائے کے ساتھ کیا بنی تھی وہ کس کی تھی، کہاں کی تھی، یہاں کیوں اور کیسے آئی گئی تھی۔

اگلے کئی دن بھی بابا دین ایسے ہی جاتا رہا اور مایوس واپس آتا رہا تو گاؤں والوں نے جوک در جوک اس کے پاس آنا شروع کر دیا کہ

" یہ گائے خدا کا انعام ہے۔۔۔ اس کی نیکی و پرہیز گاری پر مہر۔۔۔ اس کا کوئی مالک نہیں۔۔۔ اس کا مالک خدا ہے اور اس مالک نے وہ بابے دین کو دی ہے اور بابے دین کے بعد اب گاؤں والے اس کے مالک ہیں۔" گاؤں والے ایسے کہہ رہے تھے کہ اگر وہ انعام واقع خدائی انعام ہے تو وہ اس انعام کی ترجمانی پر مامور۔

بابا دین خاموشی سے سنتا رہتا، اگلے دن پھر نکل جاتا گھر سے اور پھر دن ڈھلے اسے سر ڈھلکائے آتا دیکھ کر سب کے سینوں میں ٹھنڈی سانسیں من وسلویٰ کے خوان کی خوشبوئیں بنیں پھر جاتیں۔

" تو مان کیوں نہیں لیتا کہ یہ تیری عبادتوں کا ثمر ہے۔" گاؤں کے سفید شملے، اجلے کپڑوں والے سیانوں نے کہا۔

"عبادت کی ہی نہیں تو ثمر کیسا۔۔۔ مجھے تو یہ کوئی آزمائش لگتی ہے۔" بابے دین کی آنکھوں کی نورانیت مدھم پڑ جاتی۔

" تجھ پر کیوں آئے گی آزمائش۔"

"کسی کے لیے تو آزامائش آئی ہے پھر۔۔۔ ایسے انعام جب ایسے نازل ہوتے ہیں تو بڑے بھاری ہوتے ہیں۔۔۔ یاد کرو بنی اسرائیل والوں کے ساتھ من و سلویٰ کے ساتھ کیسی ذمہ داری آن پڑی تھی۔۔۔ روگردانی کی گنجائش نہیں رہتی پھر۔۔۔"

"تو کہاں نبیوں تک جا پہنچا۔۔۔ یہ گائے ضرور ہے پر تو بنی نہیں ہے۔۔۔"

"پر تم سب تو آل بنی ہو نا۔۔۔ انسان ہیں ہم۔۔۔ نجانے کہاں چوک جائیں۔۔۔"

"تو تو صدرری کی طرح پاگل بھی ہے محکم الدین۔۔۔"

"ہاں میں پاگل ہوں لیکن صدری نہیں۔۔۔ اسے لو نہیں لگانی پڑی، وہ پاگل نہیں ہے اور اسے میری طرح عبادت کرنے کے لیے صف پر کھڑے ہونے کی ضرورت نہیں پڑتی۔۔۔ اس کے وضو نہیں ٹوٹا کرتے۔۔۔"

بابا دین کچھ بھی کہتا رہتا لیکن گاؤں بھر میں مشہور ہو گیا کہ شیاما گائے بابے دین پر خدائی انعام بن کر نازل ہوئی ہے۔ ایسا انعام جس کے دُودھ کی اسے پرواہ تھی نا اس کی کھال کی۔ وہ اس کے گھر کے احاطے میں بندھی بھلے سے کسی کے بھی احاطے میں بندھ جاتی اسے تنکا برابر پرواہ نہیں تھی۔

بابے نے بڑا چارہ کیا کہ گائے کا مالک مل جائے لیکن مالک نہ ملا۔ گائے کی مشہوری کی بھنک پر ایویں کوئی اسے دیکھنے آ جاتا تو گاؤں والے اسے چیل کوئے بن کر

نوچنے کے قریب ہو جاتے۔ بچے ایسے دیکھنے آنے والوں کو "وٹے، روڑے" مار مار بھگاتے۔ انہیں ایسا کرنے کے لیے ان کے بڑے کہتے۔۔۔

"ہماری ہے وہ شیاما۔۔۔ ہماری گائے۔۔۔ بھاگو یہاں سے۔" وٹے مارتے وہ چلاتے۔

گاؤں بھر تو پہلے ہی اس کا دُودھ پیتا تھا جب کئی مہینوں بعد بھی اس کا مالک نہ آیا تو بابے دین نے اعلان کیا کہ یہ سب کی گائے ہے اس پر سب کا حق ہے، اور میں اس کے حق سے دستبردار ہوتا ہوں۔۔۔ روز قیامت اسے لے کر مجھ پر کوئی سوال نہ اٹھائے۔۔۔ میں اس گائے کی آمد کی حکمت سے انجان ہوں، اگر یہ میرا پول کھولنے آئی ہے تو خدا میرے عیبوں پر پردے ڈالے اور اگر یہ تمھیں سیر کرنے آئی ہے تو یاد رکھنا انسان کا پیٹ کبھی نہیں بھرا یہ بھی نہیں بھر سکے گی۔۔۔ اس لیے خدا کو یاد کرتے رہنا۔۔۔ بھٹک نہ جانا۔۔۔ لینے والے بن رہے ہو تو دینے والے بھی بننا۔"

اس وعظ کی ضرورت کسے تھی جو سنتا اور یاد رکھتا اور عمل کرتا۔ بابے دین جیسے لوگوں کو آخر اتنا شوق کیوں ہوتا ہے اپنا پیغمبرانہ پن دکھانے کا۔ اور انہیں ایسے خطاب دینے کی اجازت کون دیتا ہے۔

گاؤں والے آتے اور اپنی مرضی سے دُودھ لے جاتے۔۔۔ گاؤں کے گھر گھر کئی کئی گائیں، بھینسیں تھیں لیکن شیاما تو نہیں تھی نا۔۔۔

اس ساز عفران ملا، گلابی پنکھڑیوں کی ملائمت لیے مشک مشک دُودھ دینے والی۔۔۔ جس برتن میں اس کا دُودھ ڈالو مانو اس برتن کو چاٹ چاٹ کھا جاؤ۔۔۔ لڑکیاں بالیاں اپنے منگیتروں کو اسی دُودھ کی کھیر بنا بنا کر بھیجتیں جیسے دم کرائے تعویز کہ محبوب آپ کے قدموں میں۔ ماؤں کے لاڈلے شیر جوان یہ دُودھ پیتے، لڑکیوں سے اس معاملے میں بھی دُوج برتی جاتی۔۔۔

سب کا مشترکہ ماننا تھا کہ جو مکھن، گھی، لسی، کھیر، دہی اس دُودھ سے بنتی ہے وہ کسی اور دُودھ سے نہیں بنتا۔ جو سرور اس دُودھ کو پی کر ملتا ہے وہ عام گائے کے دُودھ کے مقابلے میں کئی ہزار گنا ہے۔ اس دُودھ میں انگلی ڈبو کر گالوں پر رگڑوں اور دو ہی دن میں گال کشمیری انار سے سرخ ہو جائیں۔۔۔ غرض گاؤں والوں کو تو ہزار ہا فائدے ازبر ہو گئے اور ان قسموں کے قصے کہانیاں بھی جو سیانوں نے شیاما کے نام پر اپنی سچائیاں ثابت کرنے کو کھائیں۔۔۔ بچہ بچہ عقیدت و احترام سے "شیاما" کا ذکر کرتا کہ ان کے پیٹ کے دردوں میں اسی کا دُودھ کام آتا ہے اور پینے کو بھی مل جاتا ہے بہانے سے۔ ورنہ حکیم صاحب، کہ حکمت پڑھی نہیں اور تھما دیتے ہیں اپنی گندھکی پڑیاں۔۔۔ ہونہہ کہاں شیاما کہاں وہ گندھکی سفوف۔۔۔

****

بابے کے گھر کا پھاٹک کھلا رہتا۔

پہلے بھی کھلا ہی رہتا تھا اب اعلانیہ کھلا رہنے لگا۔ دن رات شیاما کے دودھ کے لیے آیا جاتا۔ اور وہ ایسی فرمانبردار گائے تھی کہ دو بوند دودھ دے دیتی لیکن بے وقت آنے والوں کے برتن کبھی خالی نہ بھیجتی۔۔۔ دودھ لے جانے والے بھی فرمانبردار تھے کہ جو کھیر پکاتا، مکھن نکالتا، دہی جماتا، بابے کو اور صدری کے لیے رکھ جاتا۔ بابا تو دن میں ایک وقت کا کھانا کھاتا تھا وہ بھی روٹی اور پیاز، صدری البتہ شوق سے سب کھاتا وہ بھی سامنے آجاتا تو ورنہ منہ سے کبھی نہ کہتا کہ کھیر کھانی ہے، مکھن چاہیے، لسی کو جی چاہتا ہے۔

گوبر لے جانے والیاں گوبر لے جاتیں، احاطے میں جھاڑو لگا جاتیں، احاطے کے پیچھے ایک ہی کمرا تھا اسے بھی صاف کر جاتیں۔ بابا لاکھ منع کرتا لیکن وہ کرتی جاتیں، کپڑے دھو کر سمیٹ کر بھی رکھ جاتیں۔ لڑکے بالے ادھر ادھر والے گائے کو کھونٹے سے کھول کر چرانے، نہلانے لے جاتے۔ اس کے ساتھ ساتھ رہتے کہ کہیں گائے جیسے آئی تھی ویسے ہی چلی نہ جائے یا کوئی ٹٹ پینا گائے اُڑا کر ہی نہ لے جائے۔ سب اس کی اچھی رکھی کرتے، اس پر واری صدقے ہوتے۔ گاؤں کا اکلوتا تیلی پھیکو کھوکھلا بانس اس کے منہ میں ڈال کر اس کے اندر سرسوں کی کھلی انڈیلتا یعنی جو کھلی لڑکیوں کو منہ دھونے کے لے نصیب نہیں تھی وہ شیاما کو منہ کے اندر کرنا نصیب تھی۔

نہ ہمیں دودھ ملتا ہے نہ کھلی۔" وہ روتے روتیں

شیاما سے فیض یاب ہوتے ابھی دن ہی کتنے ہوئے تھے کہ گاؤں کا بڑا گوالا رحمت چپکے سے رات کو بابے کے پاس آیا اور گائے کو خریدنے کی بات کی۔ محکم الدین ہنسنے لگا۔

" جو چیز تمھاری ہے اسی کو خرید رہے ہو۔۔۔ وہ رہی گائے اسے کھول اور لے جا۔"

رحمت نے ہرن کی سی قلانچ بھری اور گائے کھول یہ جا وہ جا، اسی کی تھی نا گائے۔

صبح دم جو عورتیں برتن لے کر آئیں، خالی احاطہ دیکھ کر سینہ کوبی کرنے کو ہوئیں

" ہائے شیاما۔۔۔ چلی گئی شیاما۔۔۔ کتنی بار کہا بابے سے رات کو تو پھاٹک بند کر پر نہیں، بڑا آیا سائیں ملوک، اپنی درویشی سے فرصت نہیں۔۔۔ چلی گئی نا۔۔۔ بابے تیرا بیڑا غرق۔۔۔"

بیڑا غرق کئے بابا ہنسنے لگا" وہ تو گوالے رحمت کے گھر ہے جاؤ اب تم وہاں سے جا کر دودھ دھو لو۔"

"ہائے وے بابے مر جانے کم عقلے" انھوں نے اور زور و شور سے سینہ کوبی کی

یعنی اب وہ گوالا تو ضرور انہیں دودھ دھونے دے گا۔ ہائے بابے محکم الدین تیرا ککھ نہ راوئے۔"

عورتوں نے واہی تباہی مچاتے اپنے مردوں کو جالیا۔ گاؤں بھر میں شور اٹھا، ایسی صبح اٹھی کہ کسی نے پانی کے دو گھونٹ نہ پیئے اور خون پی جانے کو ہوے۔ سب رحمت کے گھر کو لپکے۔۔۔ اس نے صاف انکار کر دیا۔۔۔

"گائے اب میری ہے۔۔۔ یہ بابے دین کی تھی اس نے اپنی خوشی سے مجھے دے دی تو اب یہ میری ہوئی۔"

"تو اسے رکھ اس کا دودھ ہمارا ہے۔"

"ایک بوند بھی تمھاری نہیں اب۔" وہ اکڑ گیا۔

"تو اس گائے کا باپ ہے؟"

"ہاں اب تو ہوں۔" اس نے کان کی بالی کو چھوا یعنی اپنے باپ ہونے کے نشان کا اتا پتا کیا۔

"یہ بابے دین کا خدائی انعام ہے۔۔۔" چوہدری جی نے اسے خدائی عذاب سے ڈرانا چاہا۔

"بابے دین نے یہ خدائی انعام مجھے سونپ دیا ہے چوہدری جی۔۔۔ بس مرضی اللہ والوں کی۔"

"سونے کے بھاؤ بیچے گا نا تو اس کا دودھ۔" "گاؤں کی دائی اس کی گردن دبوچنے کو تھی، اس کی آواز اتنی بلند ہو گئی کہ خدا کی پناہ۔ جیسے عذابی ندا۔

"اب جو کروں دیکھ لینا۔" رحمتے نے سب کو چڑایا۔

"کہاں ہے سارے شیر جوان جنھوں نے شیاما کا دودھ پیا ہے، مار مار کر اس کا بھرکس نکال دو۔۔۔ یہ کون ہوتا ہے ہم سے ہمارے خدائی انعام چھیننے والا۔" دایا نے دھاڑ کر کہا، شیاما کا دودھ پیا تھا دھاڑ سکتی تھی۔

معاملہ بگڑ رہا تھا۔ سارے گاؤں والے ایک طرف ہو گئے تھے، لڑ مرنے کو تیار تھے

"شام کو پنچایت میں فیصلہ ہو گا۔" اعلان کیا گیا۔

شام کو پنچایت بیٹھا دی گئی۔۔۔ بابے دین کے پاس بھی گئے اس نے بڑے پیار سے کہا کہ اس نے پہلے ہی کہہ دیا تھا وہ گائے سے دستبردار ہے، اب جو چاہو گائے کا فیصلہ کر دو۔"

پنچایت لگی سارا گاؤں اکٹھا ہوا۔ ایسی پنچایت شاید ہی کبھی لگی ہو۔ رحمت کسی کی بھی کوئی بات سننے کو تیار نہیں تھا۔ شام ڈھلنے لگی۔۔۔ مدھم مدھم ستارے نظر آنے لگے۔۔۔ رحمت کی ایک ہی رٹ کہ گائے اس کی ہے۔ بابے دین کے گھر آئی تھی تو بابے دین کی تھی اب اس کے پاس ہے تو اس کی ہے۔

بڑی تیر میر ہونے لگی۔ گبرو جوان لڑکے بھڑک بھڑک جاتے، انھیں ان کی ماؤں نے سمجھا کر بھیجا تھا نہ مانے تو سر کھول کر رکھ دینا رحمتے کا۔۔۔ آیا وڈا شیاما تے قبضہ کرن والا۔۔۔

رحمتے نے بھی اپنے شلوکے میں پستول چھپا رکھی تھی وہ تو سینے سے کھول کر رکھ دے گا سب کے، کان میں زنانہ بالی نہیں پہنی تھی اس نے۔

ابھی گرما گرمی جاری تھی اور جاری ہی رہنے والی تھی کہ اس کا بڑا لڑکا اس کے قریب کھسکتا آیا۔ یہ لڑکا پنچایت کی کاروائی بھاگ بھاگ گھر جا بتا رہا تھا اور گھر سے گاؤں بھر سے "کپتی رن" کا خطاب پانے والی اپنی دادی کے پیغامات اپنے باپ کے کان میں انڈیل رہا تھا۔

"شیاما نے زہریلی کھمبیاں چارے میں کھالیں ہیں۔"

پھوں پھاں کرتا رحمت چت سا ہو گیا۔ اس نے خون آلود دیدوں سے اپنے بیٹے کو گھورا اور خود کو اس کی گردن دبوچنے سے روکا۔

"بشرے کی ماں کو مرگی کا دورہ پڑا ہے۔" رحمت کہہ کر گھر کو بھاگا۔

گاؤں والے حیران رہ گئے کہ یہ کون سی مرگی تھی جس کا دورہ ساری عمر چھوڑ کر اس عمر میں اچانک پڑا تھا۔

"کہاں سے کھالیں اس نے کھمبیاں؟" رحمت گھر جا کر دھاڑا۔ گھر میں تو پہلے ہی صف ماتم بچھی تھی۔

"پتا نہیں اس کے چارے میں کہاں سے آگئیں۔" کپتی رن بین وبین ہوئی

رحمت اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گیا لوب شیاما سے سارا گاؤں ہاتھ دھو بیٹھے گا، میرے کام کا دُودھ نہ کسی کے منہ کا۔

کھونٹے سے کھولا اور پنچایے میں لے جا کر کھڑا کر دیا۔

لو سنبھالو اسے۔۔۔ میرے لیے تو یہ منحوس ہے۔ میری بیوی کو مرگی کا دورہ پڑا، ماں کا ہاتھ جلا، اناج کے گودام میں آگ بھڑکی۔" رحمت نے جھوٹ بولا اسے کوئی ضرورت نہیں تھی بلدیہ کو مری ہوئی گائے کو اٹھانے کے تین ہزار دینے کی۔ پنچایت جانے یا بابا دین۔۔۔

رحمت کے گھر جانے کے بعد پنچایت نے فیصلہ کر لیا تھا کہ رحمت سے گائے لے کر گائے کو میاں محمد بخش کے رکھا جائے جن کی بی بی بچوں کو سپارے پڑھایا کرتیں کہ بابے دین کو واپس کی تو وہ اپنی کم عقلی سے پھر کسی کو گائے دے دے گا۔

تو گائے محمد بخش لے گیا۔ لیکن کیونکہ گاؤں تھا اور گھر سے گھر ملے ہوئے تھے تو یہ ذرا سی دیر میں ہی ایک بچے کی ماں بی بی کو بتا گئی کہ گائے زہریلی کھمبیاں اور کنہیر کے پھل کھا گئی ہے۔ بس مرنے ہی والی ہو گی۔۔۔

بی بی کے ہاتھ پیر پھولے اور دونوں میاں بیوی سو جھوٹ سچ بولے اور گائے تیلی کے حوالے کی۔۔۔

تیلی بھی گاؤں میں ہی رہتا تھا اسے بھی خبر ہو گئی اس نے جھٹ بابے دین کے گھر لے جا کر گائے باندھ دی کہ بابا جانے اور گائے اور بلدیہ۔۔۔ کیوں جی جس کا انعام تھا وہی اس کا عذاب سنبھالے نا۔۔۔

جن جن کو خبر تھی وہ وہ صبح دم گائے کے مرنے کی خبر کے منتظر تھے لیکن ایسی کوئی خبر نہ آئی۔۔۔ رحمتے کی ماں اپنا برتن لے کر بہانہ بنا کر آئی اور کیا دیکھتی ہے کہ احاطے کی دیوار کی دراڑ میں اُگے پودوں پر جھاگ پڑی ہے۔۔۔ گائے کچھ ڈھیلی اور سست ضرور ہو گئی تھی لیکن مری نہیں تھی۔ رحمتے کی ماں نے دو ہتڑ اپنے سینے پر مارے" اس نے یوں گائے کو چلتا کیا تھا کہ گر ایسے مر گئی تو گاؤں والے کہیں گے ہم نے مار ڈالا۔۔۔ جان کو آجائیں گے پھر۔۔۔"

دن چڑھتے چڑھتے اندر کی بات سارا عالم جان گیا۔ دو دن انھوں نے گائے کے دودھ سے پرہیز کیا، جن پودوں پہ شیاما کے منہ سے جھاگ گری تھی وہ ہرے

بھرے ہو گئے ان پر گلابی پھول نکل آئے۔۔۔ گاؤں والوں نے سوچا کہ یہ تو کراماتی گائے ہے۔ زہر کھا کر تریاق اگلتی ہے۔ یہ تو معجزاتی گائے ہے۔ وہ عقیدت و احترام سے اس کے مرید ہو گئے۔ اس کا دودھ پینے سے پہلے بس وضو کرنے سے ہی باز رہے بس۔

آگے پیچھے کے سال اس نے بچھڑے دیئے لیکن وہ مر گئے۔ گاؤں والوں کو بڑی آس تھی کہ شیاما کے بچھڑے بچ جایا کریں۔ عورتیں ایسے اپنے اپنے گھروں میں دعائیں کیا کرتیں جیسے وہ دادی یا نانی بننے والی ہوں اور اب کے وہ دادی نانی نہ بنیں تو مر ہی جائیں گی۔۔۔ ہاں بس مر ہی جائیں گی۔

اس کے دودھ میں شفاء اور برکت بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ بخار میں پیا، سر درد میں پیا، پیٹ درد میں پیا، بس جانو کہ کسی بھی بیماری کا سوچ کر پی لیا کہ تو میں شیاما پیتی پیتا ہوں، کہ مجھے فلاں بیماری سے شفاء نصیب ہو اب۔ سنا تو یہ بھی تھا کہ گاؤں کی سالوں کی ایک بانجھ جس کا شوہر سوتن لے آیا تھا وہ بھی اولاد والی ہو گئی تھی، اور اسے نے اولاد کا سہرا شیاما کے سر باندھ دیا تھا اور شوہر کے سر پھٹکار برسائی تھی۔

اللہ کی اللہ جانے۔۔۔ فی الحال گاؤں والے شیاما کی کرامات جانتے تھے۔

چار سال گائے گاؤں والوں کو بھلا چنگا کرتی رہی تھی۔ گائے کی آمد کے ڈیڑھ سال بعد بابا محکم الدین چل بسا تھا۔ خیر یہ ایسی کوئی فکر کی بات نہیں تھی صدری تو زندہ تھا نا۔ اب گائے کا مالک وہی تو تھا۔ باپ کی طرح اسے بھی کوئی اعتراض نہ تھا کہ کون کب آتا ہے اور کیسے اور کتنا سونا سونا دُودھ لے جاتا ہے۔ کام چل سو چل تھا۔

تو محکم الدین مر گیا اور صدری محکم الدین کے مرنے پر رو یا نہ چلایا۔ بابا اسے پہلے ہی سمجھا گیا تھا کہ جو برحق ہے اس پر واویلا کیسا۔

برحق جاننے والے کے حق ہو بیٹے نے ذرا واویلا نہ کیا۔ وہ سو کر اٹھتا تو چنگیر میں روٹی، سالن، گھی، مکھن، لسی کا گلاس رکھے ہوتے وہ کھا کر غلیل لے کر نکل جاتا۔ گھر آتا تو روٹی سالن، کھیر، اچار، دہی پڑا ہوتا وہ کھا لیتا۔ گندے کپڑے اتار کر کہیں بھی رکھ دیتا اگلے دن وہ دھلے ہوئے، تہہ لگائے ہوئے ملتے۔ کبھی کونوں کی استری سے استری ہوئے بھی ملتے۔ کمرے میں احاطے میں جھاڑو پھیری ہوتی۔ تربوز، خربوزے، آم، مالٹے، چنگیروں کے ساتھ ہی آ جاتے۔ وہ سب کھا لیتا۔ اس کھا لینے میں ذائقے یا خواہش کا عمل دخل نہیں تھا۔ آم، مالٹے، کھیر، آلو گوشت کھا کر وہ بھول بھی جاتا کہ ان کا ذائقہ کیسا تھا۔ شام کو یارات کو گھر آتا تو آسمان تلے پڑ کر سو جاتا۔ باہر پھاٹک کھلا ہی رہتا اس نے کبھی بند کیا نہ اسے کبھی وہ بند ملا۔۔۔

ایک دن وہ بس میں بیٹھ کر شہر چلا گیا اور سارا دن بھوکا رہا۔ اسے تو روک کر کھلا دیا جاتا تھا نا تو شہر میں اسے کون روک کر کھلاتا وہ شیاما کا دودھ تھوڑی پیتے تھے۔ گھر آیا چنگیریں پڑی تھیں۔ ہاں گاؤں والے اچھے تھے۔۔۔ بہت اچھے تھے۔۔۔

ایسے ہی چند سال بیت گئے۔

شیاما پہلے دن کی دلہن کی طرح اب بھی سب کی دلاری تھی۔ آج بھی عورتیں اس کی نظریں اتارا کرتیں اور اس کے منہ میں کھلی انڈیلے جانے پر آج بھی لڑکیاں آہیں بھرتیں۔ سردیوں میں شیاما کی آمد کے قصے چھیڑے جاتے اور دہرایا جاتا کہ اس کے دودھ نے کیسی کیسی کرامات کیں۔ کون کون صحت یاب ہوا اور کیسے کیسے رنگ و روپ والے نکھر نکھر گئے کہ کئی بوڑھوں کو دوبارہ جوانی نصیب ہوئی۔۔۔ ہاں لیکن شیاما سے متعلق بات کرتے وہ اس بات کو آج بھی دھیان میں رکھتے تھے کہ کسی اجنبی کے سامنے یہ سب باتیں نہ کی جائیں۔ اجنبی کالی نظر نہ لگا دیں اور نہیں تو چرا ہی نہ لے جائے۔۔۔ ورنہ دودھ ہی مانگ لے۔۔۔

ایک شام صدری گھر آیا تو مانو سارے گاؤں والے احاطے میں کھڑے بین کر رہے تھے۔ ایک ڈاکٹر گائے کا جائزہ لے رہا تھا۔

جیسے وہ آئی تھی ویسے ہی چلی گئی۔۔۔ وہ مر چکی تھی۔۔۔

عورتیں سینہ کوبی کرنے لگیں۔۔۔ شیاما مر چکی تھی۔۔۔

اس رات صدری کو بھوکا سونا پڑا۔۔۔سب گائے کے غم میں مبتلا سوگ منا رہے تھے اور اسی رات بابے دین کے گھر کا پھاٹک بند ہوا۔ کسی نے پھاٹک کو غصے سے کہ غم میں بھیڑ دیا تھا کہ اب یہاں کیا رکھا ہے جس کے لیے دن رات آیا جائے۔

ان کا نفع تو جا چکا تھا۔۔۔اب وہاں کون تھا۔۔۔

*****

صدری کے گھر کا آنگن دھول سے اٹ گیا اور وہ میلے کپڑے ہی بدل بدل کر پہنتا رہا۔ بابے دین کی شلوار، شلوکا، اور پگڑی۔ چند ایک ہی تھے اور وہ چند ایک میل سے اٹ چکے تھے۔ ان میں سے بدبو آنے لگی تھی۔ چند ایک دن چنگیریں آتی رہیں تھی پھر ان میں ناغے آنے لگے اور سب سے بڑا ناغہ دودن کا آیا۔ اسے مانگنے کی عادت نہیں تھی۔ مطلب اسے معلوم نہیں تھا کہ مانگنا بھی کوئی چیز ہوتا ہے۔

گاؤں والیوں میں تیر میر شروع ہو چکی تھی کہ تو دے میں نے تو دو دن پہلے بھی دی تھی۔ میں کیوں دوں میں تو آدھ سیر دودھ لیا کرتی تھی تو ہی بالٹی بھر بھر لے جایا کرتی تھی۔

" میری بالٹی پر تیری صدا کی نظر تھی تو بھی بھر لیا کرتی بالٹی، پر تو کرتی کیا، گو دہری ہوتی، کوئی منا منی ہوتی تو بالٹی بھرتی نا۔"

اب گاؤں بھر میں یہ قصہ شروع ہو چکا تھا کہ میں تو یہ دو بوند دُودھ ہی لے جایا کرتا تھا یا لے جایا کرتی تھی، سارا دودھ تو تو لے جایا کرتا تھا یا فلاں لے جایا کرتا تھا، گائے سے اصل فائدہ تو تو نے لیا یا فلاں نے لیا، جس نے فائدہ لیا وہ سنبھالے اس مستانے صدری کو اب۔۔۔ہم کیا جانیں۔۔۔

مستانہ صدری جب بھوک سے مرنے کے قریب ہو گیا اور پانی پی پی کر تھک گیا تو ہمسائی خالہ کے گھر گیا اس نے ماتھے پر بل ڈال کر بچے کھچے روٹی کے ٹکڑے پکڑا دیئے۔ صدری نے کھا لیے اسے قطعاً فرق نہیں پڑا تھا کہ روٹی کے ٹکڑے سوکھے تھے اور نگلے نہیں جاتے تھے۔ یہاں ایک بات سمجھ لینی چاہیے کہ صدری مست لوک سا تھا، پاگل دیوانہ نہ تھا۔ بس وہ دنیا میں رہ کر دنیا دار نہ تھا۔ اور ایسا کوئی باقاعدہ ولی صوفی بھی نہیں تھا۔

اگلی دو روٹیاں بھی ماتھے پر بل دے کر دی گئیں اور پھر جب وہ چوتھی بار گیا تو خالہ حمیداں نے کہا۔

"مائی تنور والی کے پاس جا، اسے کہہ وہ تجھے کام پر رکھ لے، روز کے تین روپے دے گی اور روٹی بھی۔"

وہ بات تو نہ سمجھا لیکن انداز پر چپ سا ہو گیا اور گیلی مٹی کی طرح ڈھیر سا چلنے لگا۔ چنگیر کو اس نے خالہ حمیداں کی دہلیز پر ہی چھوڑا اور کتے کو لے کر گاؤں سے دور چلا گیا۔

دو دن کسی نے اسے گاؤں میں نہ دیکھا جب وہ واپس آیا تو مکمل طور پر چپ تھا جیسے دو دن کا چلہ کاٹ کر آیا ہو یا کسی پہاڑ کی اونچائی پر چڑھ کر فرمان سن آیا ہو۔ اب وہ کلامِ فرید بھی نہ پڑھتا۔ چھپر کے پانی میں پیر ڈبو کر بھی نہ بیٹھتا نہ غلیل سے چڑیوں کو پھر پھر اڑاتا۔۔۔وہ انسانی نظروں کی پہنچ سے دور کسی درخت تلے چپ چاپ بیٹھا آسمان تکا کرتا۔ وہ ایسا ہو گیا تھا جیسے کسی استاد کے دیئے سبق پر عمل پیرا ہو۔۔۔مرشد کامل کا مرید کامل۔ اس کا باپ کہہ کرتا تھا اسے لو نہیں لگانی پڑی، اگر یہ سچ تھا تو اب وہ اس لو سے آگے کی منزلوں میں تھا۔

اس نے گھر کا پھاٹک پھر سے کھول دیا تھا جیسے سرائے کے پھاٹک وا رہتے ہیں۔ آتے جاؤ۔۔۔جاتے جاؤ۔۔۔یہاں قیام ممکن نہیں۔۔۔یہ خیال بھی ممکن نہیں۔۔۔

دن میں ایک بار گاؤں کے آخری کنارے لگے شہتوت کے درخت سے شہتوت توڑ کر کھا لیتا۔ اور گاؤں والوں میں سے چند ایک نے یہ غور کرنے کی زحمت بھی کر لی کہ درخت پر اتنے ہی شہتوت ہوتے ہیں جتنے اس نے کھانے ہوتے ہیں۔۔۔اس منظر اور غور و فکر نے ان میں تھوڑی بے چینی پیدا کی۔۔۔اس کے باپ کی دعاؤں سے کئی بے اولادوں کو اولاد ملی تھی۔ کئی مرتوں کو شفاء نصیب ہوئی تھی۔ وہ اسی باپ کا بیٹا تھا پھر بھوکا تھا اور یہ کہ گائے مر چکی تھی اور اب

صدری کسی کے کام کا نہیں تھا۔ نہ وہ دعا دیتا تھا نہ اس پر خدائی انعام "شیاما" کی صورت نازل ہوا تھا۔۔۔ تو وہ ان کے کام کا کیسے ہوتا۔۔۔

وہ ان کے لیے تش بھی نہ رہا جسے پھونک مار کر اڑا دیا جاتا۔ گائے کا مالک ہونے کی وجہ سے کبھی وہ تل کی ترازو رہا تھا اب تو وہ جوتے کی تلے سے گیا گزرا تھا۔

صدری دنیا کا نافرمان ٹھہرا اور گاؤں والے دنیا کے فرمانبردار۔۔۔

ڈھور ڈنگروں میں بیماریاں پھوٹیں اور ایک ایک کر کے گھر گھر ان سے خالی ہونے لگے۔ قطرہ قطرہ دُودھ بیچ دینے والوں کے گھروں میں پہلے فاقے شروع ہوئے۔۔۔ کھیت کھلیان والوں کی فصلوں پر بارشوں اور کیڑوں نے یلغار کی، کچھ کی ادویات کے بے جا استعمال سے فصلیں ہی زہریلی ہو گئیں۔۔۔ محکمہ خوراک نے اپنی نگرانی میں ایسی فصلوں کا اناج تلف کروایا۔۔۔

گاؤں میں باقاعدہ قحط نہ آیا اور قحط آ بھی گیا۔۔۔

انھیں یہ خبر بھی نہ ہوئی کہ یہ سب ہوا ہے کیونکر۔۔۔ فصلیں اچھی کیوں نہیں ہو رہیں۔۔۔ مویشی خرید خرید لا رہے ہیں تو وہ بیماری سے مرتے کیوں جا رہے ہیں۔۔۔ ساری جمع پونجی انھی کاموں میں نکل رہی ہے۔۔۔ آل اولاد بیمار رہنے لگی ہے۔ دوسری آفات الگ سے۔ بھوک ہے کہ مٹائے نہیں مٹ رہی، غربت ہے کہ بڑھتی جا رہی ہے۔ یہ کسی آفت ہے، یہ کیسا کال پھوٹا ہے گاؤں میں کہ بارش آتی اور سیلاب بن بن جاتی ہے اور چھتیں ٹپکتے ٹپکتے ہار کر گر جاتی ہیں۔ ہوا آندھی بنتی ہے اور آندھی طوفان۔ مانو جیسے ساری دنیا میں ایک وہ اکیلا

گاؤں ہی عذاب بھگتنے کے لیے رہ گیا ہو۔

گاؤں کے مرد شہروں کی طرف کام کاج کے لیے بھاگے لیکن جتنا وہ کما کر لاتے اس سے دو وقت کی روٹی پوری نہ ہوتی۔ گاؤں سے جیسے برکت ہی اٹھ گئی۔ ڈھور ڈنگروں کی خریداری کے لیے لیے گئے قرض جان کو آنے لگے، سود بڑھنے لگا۔

ایک شام چوپال میں بیٹھے چند لوگوں کو صدری نظر آیا اپنے کتے کے ساتھ وہ گاؤں کے پچھواڑے جا رہا تھا۔ لوگوں کو اس پر بڑا رشک آیا کہ دیکھو نہ فکر نہ فاقہ، نہ آل نہ اولاد، نہ گھر نہ بار، مزے تھے اس کے۔ ایک سیانے کو ایسے ہی سوچ آئی۔

"یہ کھاتا پیتا کہاں سے ہے؟"

"ہاں۔۔۔ یہ کھاتا پیتا کیا ہے۔۔۔ کہاں تو ہم اتنا ہلکان ہو کر بھوکے مر رہے ہیں۔" دوسرے سیانے نے کہا

ان چند کو اس پر حسد سا آیا اور صدری کی انھوں نے کھوج لگائی۔

"یہ بیر کھاتا ہے اور ایک وقت کھاتا ہے۔ اس کا باپ ولی تھا شاید اس کی مٹھی میں بھی کوئی کرامت ہو۔ دیکھو کیسے ہٹا کٹا ہے، کبھی بیمار بھی نہیں ہوا۔۔۔"

جن چند سیانوں نے کھوج لگائی تھی انہوں نے درخت سے سارے بیر توڑ کر کھا ڈالے اور درخت ایسے خالی سا ہو گیا جیسے صدیوں اس پر پھل نہیں لگا۔ صدری پھر کبھی اس بیر کے درخت کے پاس نظر نہیں آیا۔ لوگوں کو پھر کھوج لگی کہ وہ کیا کھا کر زندہ ہے آخر۔۔۔ کھوجا اور جانا کہ اب وہ درختوں کے پتے کھاتا اور پانی پیتا ہے۔۔۔

ان سب نے درختوں کے وہ پتے نہ کھائے، زعفران ملا دُودھ پیتے رہے تھے ایسے کیسے صرف پتے کھا لیتے۔۔۔ شیاما کے دودھ کا ذائقہ بھولے نہیں تھے ابھی۔

جاڑا شروع ہوا تو گاؤں کی کمہارن کے گھر اس کی ماں کئی سالوں بعد آئی۔ وہ تو گھر اور گاؤں بھر میں بچھا قحط دیکھ کر حق دق رہ گئی۔ اسے خبر ملی کہ شیاما کب کی مر گئی، اور بابا محکم الدین تو اس سے بھی پہلے کا مر مرا گیا۔۔۔

"اور اس کا بیٹا صدری؟"

"وہ بھی یہیں کہیں ہوتا ہے۔"

"اپنے باپ پر گیا ہے نا؟"

"نہیں۔۔۔ باپ پر کہاں۔۔۔ آوارہ گھومتا رہتا ہے۔۔۔"

"ہے تو محکم الدین کا خون نا۔۔۔ جس کے گھر وہ کراماتی گائے آئی تھی، یاد ہے مجھے اس کا دودھ پی کر کیسے میرا سر کا بوال ٹھیک ہو گیا تھا۔"

"ہوا پڑئے ہمیں کیا۔۔۔"

ماں نے چار دن سوچ بچار کی۔

عورتوں اور بچوں نے تو جیسے کئی زمانوں سے پیٹ بھر کر نہ کھایا تھا۔ جو تھوڑا بہت ہوتا وہ پہلے مردوں کو کھلایا جاتا کہ مزدوری کرنے جو جاتے تھے۔ خیر کمہارن کی ماں نے ایک دن بیٹی اور اس کے بچوں کو بھوکا رکھا

"میں کیوں کھلاؤں اس نکمے آوارہ کو روٹی؟"

"چپ رہ۔۔۔ کچھ تو اس کی مٹھی میں بھی ہو گا، کچھ اثرات اس کے باپ نے ضرور اس میں چھوڑے ہوں گے، ورنہ باپ کوئی دعا ہی دے گیا ہو گا اپنے بیٹے کو۔۔۔ کوئی کرشمہ تو ضرور اس کی بھی زبان کی نوک پر ہو گا۔"

چنگیر کو اچھے سے سجا کر صدری کے گھر کے کھلے پھاٹک سے اندر جا کر مٹی سے اٹی چارپائی کو ذرا سا جھاڑ کر اس پر رکھ آئی۔ پھر رات کے پہلے پہر تک اس کا انتظار کرتی رہی پھر گھر آ کر دیوار کے اس طرف سے اس طرف نظر رکھی کہ کوئی کتا بلی روٹی نہ لے آڑے۔

صدری آیا اور کمرے میں جا کر دروازہ بھیڑ لیا۔ چنگیر سامنے چارپائی پر رکھی رہ گئی۔

اماں دیوار چھوڑ کر لپک کر کھلے پھاٹک سے اندر گئی اور چنگیر اٹھا کر دروازہ دھڑ دھڑانے لگی۔

"سائیں صدری۔۔۔ صدری سائیں روٹی کھالے۔۔۔"

صدری سائیں نے جواب نہ دیا۔

کمہارن نے طنز سے ماں کو اپنے گھر کی دیوار سے جھانک کر دیکھا لیکن ماں کافی دیر تک دروازہ بجاتی رہی۔

بہت دیر بعد آواز آئی۔۔۔ "کسی بھوکے کو کھلا دے مائی۔۔۔ خدا بھوکوں کے پیٹ بھرئے۔"

ماں کی باچھیں کھل اٹھیں جیسے مراد بر آئی۔ گھر آ کر سب سوتوں کو اٹھایا اور سب نے مل کر روٹی کھائی۔ اگلے دن صبح ہی صبح کمہارن کا جیٹھ جو دُور کے گاؤں رہتا تھا، اناج کی دو بوریوں اور گھی کے کنستر لے کر آ گیا۔ کمہارن کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ یہ وہی جیٹھ تھا جس کے پاس اس کا جنا ادھار لینے گیا تھا تو اس نے اپنی ٹوٹی چپل آگے کر دی تھی کہ میرے پاس تو یہی ہے۔ میں تو خود بھوکوں مر رہا ہوں۔"

اب کمہارن روز چنگیر میں روٹی رکھ آتی، اگلے دن چنگیر اٹھا لاتی، روٹی جوں کی توں ہوتی، گھر آ کر کھا لیتی اور خدا کا شکر ادا کرتی۔ سارا گاؤں بھوکا مر رہا ہو اور ایک گھر میں گھی کے کنستر رکھے ہوں تو یہ بات چھپتی ہے بھلا۔ منہ اندھیرے کئی پڑوسنوں نے کمہارن کو صدری کے گھر سے چنگیر اٹھا لاتے دیکھا۔ اس سے پوچھا تو وہ ٹال گئی۔

مل ملا کر سب نے سوچا کہ ضرور اس میں کوئی راز ہے اور وہ سب مل کر کمہارن کے گھر گئیں اور اسے شرم دلائی۔ جیسے تیسے کمہارن سے اگلوایا۔ اور پھر دن گھر بھوکا رہ کر صدری کے لیے اچھا سا سالن بنایا، دہی جمایا، روٹی پکائی اور چنگیر بنا کر سب احاطے میں رکھ گئیں۔ یہی کوئی پانچ سات گاؤں والیاں۔ کیونکہ اب ان سب کا بھی ماننا تھا کہ صدری بھی ولی کا رتبہ پا گیا ہے اور اس کی دعا سے اب سب کچھ بدل جانے والا ہے۔ ان کے بھوکے پیٹ بھر جائیں گے اور ان کے قرضے اتر جائیں گے۔ اور ان کی فصلیں سونے کے بھاؤ چڑھئے گی۔۔۔ بس سب ٹھیک ہو جائے گا۔

چنگیریں رات بھر صدری کے احاطے میں پڑی رہیں۔ صبح ہوتے ہی وہ اپنی چنگیریں اٹھا کر لے گئیں۔ انھیں بھی ہاتھ نہیں لگایا گیا تھا۔

پر ان کے حالات تو جوں کے توں رہے۔

"تو نے ہمیں پوری بات نہیں بتائی۔۔۔" وہ کمہارن پر چڑھ دوڑیں۔

جب وہ کہے گا نا کہ خدا بھوکوں کا پیٹ بھرے تب سب بدلے گا۔" کمہارن نے اب کے سب اگل دیا۔

اس دوران گاؤں بھر میں اتنی چہ مگوئیاں ہو چکی تھیں کہ سب کو کمہارن کا قصہ معلوم ہو چکا تھا۔ جس صدری کو آوارہ اور نکما کہا جاتا اب اس کا نام عقیدت سے لیا جاتا تھا۔

جس دوران صدری کو باعث عقیدت بنایا جا رہا تھا اسی دوران صدری گاؤں سے غائب ہو گیا۔ گاؤں والوں کی جیسے جان ہی نکل گئی۔ یہ کیا ہوا۔۔۔ ان کی آس امید ان کا نفع کہاں گیا؟ لڑکے صدری کی تلاش میں دوڑائے گئے۔۔۔ عورتیں خود بھی نکلیں اسے ڈھونڈنے۔ کئی سالوں سے جس کا اتا پتا نہیں ہوا کرتا تھا کہ کہاں ہے کس حال میں ہے، سارے گاؤں کو ایک دم سے اس کا حال معلوم کرنے کا بخار چڑھا تھا۔ جیسے گاؤں میں شیاما شیاما ہوا کرتی تھی ویسے ہی صدری صدری ہونے لگی۔

"وہ کسی دوسری جگہ جا آباد ہوا ہے۔ انہیں فیضاب کرنے۔" کمہارن نے کہا

"کالے منہ والی" کمہارن کی بات جس جس نے سنی اسے کوس کر رہ گئی کہ اپنا پیٹ بھر والیا اکیلی نے ڈائن نا ہو تو۔۔۔

گاؤں والوں نے تڑپ تڑپ کو رات دن گزارے۔۔۔ یہ کیا ہو گیا ان کے ساتھ، صدری کہاں چلا گیا۔ ان کا نمک کھا چکا، نمک حرام کر گیا نا۔

ایک شام گاؤں میں خبر پھیلی کہ صدری آ چکا ہے اور اپنے گھر ہے۔

سب اس کے گھر کی طرف بھاگے۔ دھول مٹی سے اٹے احاطے میں کھڑے ہو گئے۔ اس کے کمرے کا دروازہ بند تھا، کئی ایک نے دروازہ بجایا، اسے آوازیں دیں، لیکن کوئی جواب نہیں آیا۔

"اسے تنگ نہ کرو۔۔۔ ورنہ بد دعا دے دے گا۔"

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔" وہ سب واپس چلے گئے البتہ اپنے پیٹ کے نوالے صدری کے لیے احاطے میں چھوڑ گئے۔ پہرا بیٹھا گئے کہ وہ پھر کہیں نکل نہ جائے۔

اگلا دن آیا صدری کمرے سے باہر آیا نہ ہی اس کا کتا۔

عورتیں اپنی چنگیریں واپس اٹھا لائیں۔ شام تک انتظار کیا لیکن دروازہ نہ کھلا۔

رات ہونے لگی۔ گاؤں والیوں نے دل لگا کر سالن بنایا، روٹی پکائی، اسے سلیقے سے چنگیر میں سجایا اور لالٹین ہاتھ میں پکڑ کر صدری کے گھر کی طرف چل نکلیں، ہاں نکلتے ہوئے انہوں نے وضو کر لیا تھا اور وہ خدا کی حمد بیان کرتی جاتی تھیں کہ جس نے انہیں ان کی مصیبتوں سے چھٹکارے کے لیے ایک در دے دیا تھا۔۔۔

سب از رئے ہمدردی، از رئے رحم ایک دوسرے کو آوازیں دیتیں، اکھٹا کر رہی تھیں کہ آؤ مل کر خوشحالی لے کر آئیں صدری سائیں سے۔۔۔ وہ ایک ولی کا بیٹا ہے وہ ہمیں خالی ہاتھ نہیں لوٹائے گا۔۔۔ ہماری جھولیاں بھر کر ہمیں بھیجے گا۔

گلیوں سے، نکڑوں سے، گھروں سے چنگیریں اور لالٹینیں نکلتی آ رہی تھیں۔ جیسے کسی دربار چادر چڑھانے جا رہے ہوں۔ میلہ چراغاں میں اپنے اپنے چراغ رکھنے جا رہے ہوں۔ سب کے سب پر اُمید صدری کے گھر کی طرف جا رہے تھے۔ وہی گھر جہاں منوں بان لے جایا کرتے تھے اور محکم الدین کو اجرت نہیں دیا کرتے تھے کہ اسے کیا ضرورت وہ تو اللہ لوک ہے۔ وہی گھر جہاں شیاما تھی اور جس کے دُودھ کو انہوں نے سالوں پیا تھا اور وہ گھر بھی جہاں انہوں نے

چنگیریں بجھوانی اور رکھنی چھوڑ دی تھیں۔ آج چنگیریں اٹھائے مل کر عقیدت لیے جا رہے تھے۔

سب احاطے میں اکٹھے ہو گئے اور دروازہ دھڑ دھڑانے لگے۔ عورتوں کے ساتھ ان کے مرد بھی تھے۔

"آج دروازہ کھلواؤ۔۔۔ صدری کو باہر لاؤ۔۔۔ ورنہ ہم بھوک کے مر جائیں گے۔" ایک عورت نے روتے ہوئے کہا۔

" وہ سائیں ملوک اپنی لو میں لگا ہو گا۔۔۔ اس کی لو تھوڑی دیر کو توڑو۔۔۔ اللہ ایسے بندوں کو ہمارے لیے ہی تو زمین پر اتارتا ہے نا۔" ایک دوسری بوڑھی عورت روئی

دروازہ زور و شور سے بجایا جانے لگا، ساتھ آوازیں دی جانے لگی۔ لیکن دروازہ نہ کھلا۔ خیر دھکے مار کر دروازہ جھٹکے سے کھول لیا گیا کہ وہ تو خدا سے لو لگائے بیٹھا ہو گا کہاں کانوں میں آواز جاتی ہو گی۔

ہاں وہ لو لگائے ہی بیٹھا تھا۔۔۔ زمین پر بچھی صف پر چپ ساکت لیٹا تھا۔۔۔ جیسے زندہ نہ ہو۔۔۔ اس کا کتا اس کے پیروں میں منہ دیئے لمبے لمبے سانس لے رہا تھا۔

دروازہ کھلنے اور ایکدم سے ہجوم کے آنے پر بھی اس کتے نے کوئی جنبش نہ کی۔ جیسے اسے بھی معلوم تھا کہ آگے کیا ہونا ہے۔

"صدری" سب اس پر جھکے اس نے آنکھ نہ کھولی اس کا منہ سوجھا ہوا تھا۔ اس کا تو پورا جسم ہے سوجھا ہوا تھا۔ اس کی انگلیوں کے ناخن نیلے پڑ رہے تھے۔ اس کے منہ سے لعاب نکل کر اس کی گردن تک جا پہنچا تھا۔ اس کا جسم آگ کی حرارت دے رہا تھا۔ یہ اس کے جسم کا حال تھا لیکن اس کی بند آنکھوں کے مکھڑے پر ابدی اطمینان تھا۔ جو اس کے باپ کے مکھڑے پر رہا کرتا تھا۔ نہ بے چینی نہ بے سکونی اور نہ ہی تکلیف۔ اس کے وجود کی بدلی ہوئی ہیئت سے الگ صدری ایسے تاثر کی نشاندہی کر رہا تھا جیسے وہ کسی من پسند ہنڈولے میں بیٹھا جھول رہا ہو۔ یا جن پرندوں کو وہ تکا کرتا تھا وہ سب اسے مل کر اٹھائے اپنے ساتھ پرواز پر لیے جا رہے ہوں۔

"اس نے کوئی زہریلی چیز کھا لی ہے۔" کبھی کھیتوں کے مالک رہ چکے غفورے نے اس کی گردن پر پھیل کر سوکھے لعاب کو سونگھتے ہوئے کہا جو اس کے منہ سے نکل کر گردن تک پھیلتا جا رہا تھا۔

"لیکن یہ زندہ ہے۔" کسی دوسرے نے جانچ کر اعلان کیا

"ہاں اس کی سانسیں چل رہی ہیں۔" کسی تیسرے نے نوید سنائی

صدری کے منہ میں چند بوندیں پانی ٹپکایا گیا۔۔۔ اس دوران کتا ویسے ہی اس کی ٹانگوں سے لپیٹا پڑا رہا۔

صدری نے آنکھیں کھولیں۔۔۔

"یہ بس مر رہا ہے۔۔۔ اس کا جسم پھول چکا ہے۔۔۔ ہاتھ پیر دیکھو کیسے نیلے ہو گئے ہیں۔"

گاؤں والوں کو سانپ سونگھ گیا۔۔۔ اگر یہ ایسے مر گیا۔۔۔ ایسے ہی۔۔۔ بناء دعا دیئے۔۔۔

اس کا سر اٹھا کر اسے کھڑا کرنے کی کوشش کی گئی لیکن وہ واپس صف پر بچھ گیا۔

" سب مل کر کہو کہ صدری بابا ہمیں دعا دو۔۔ ہماری مصیبتیں ختم ہو جائیں، کھیت ہرے بھرے ہو جائیں، بیماریاں ختم ہو جائیں، اس سے کہو کہی خدا بھوکوں کے پیٹ بھرے۔" عورتوں نے اپنے مردوں کو بتایا

" سب مل کر یک زبان یہ مناجات کرنے لگے۔"

صدری بابا کہو خدا بھوکوں کے پیٹ بھرے۔۔۔ صدری بابا۔۔۔ تمھیں خدا کا واسطہ ہے ہمارے حال دیکھو۔۔۔ ہماری مصیبتیں دیکھو۔۔۔ رحم کرو۔۔۔ کہو

خدا ہم پر رحم کرے۔۔۔"

کمرے میں سارا گاؤں جمع تھا۔ باقی کا ہجوم احاطے میں اکٹھا تھا۔ یک زبان سب دہرا رہے تھے۔ صدری کے منہ میں دو بوندیں اور ٹپکائیں گئیں۔ اس نے ایک بے غرض سی نظر ذراسی بس ذراسی آس پاس گھمائی جیسے اس تک آنے والے فرشتوں کو راستہ نہ دیا جا رہا ہو۔۔۔ اور وہ انہیں تلاش کرتا ہو۔۔۔ یا جیسے بھر میلے کے شوقینوں کی شوقینی کو ایک نظر حیرت سے دیکھتا ہو۔

ایسا میلہ اور ایسے شوقین۔۔۔

چند عورتوں نے سسکیوں کے درمیان دبی دبی چیخیں ماریں کہ " یہ مر گیا تو۔۔۔ اگر یہ دعا دیئے بنا مر گیا تو۔۔۔"

صدری کے گھر میں کئی لالٹینوں اور چنگیروں کا ڈھیر لگا تھا۔ ڈھیر ابن آدم کا بھی لگا تھا۔ مخلوق کے نام پر وہاں خاک کے بت کھڑے تھے۔۔۔ جو پیٹ والے تھے۔۔۔ اور ان کے پیٹ کبھی نہ بھرنے والے تھے۔۔۔ وہ مخلوق کے پہلے درجے پر بنائے گئے تھے وہ خود کو اس درجے تک لے گئے تھے جہاں بدتر درجے کی مخلوق بھی نہیں ہوتی۔ وہ اپنے درجے میں ثانی تھے۔۔۔ اپنے اوصاف میں باکمال تھے وہ۔

"صدری بابا خدا کا واسطہ ہے کہہ دے خدا ہمارے پیٹ بھرے۔۔۔ صدری بابا۔۔۔" عورتیں زور و شور سے چلانے لگیں، ان کا بس نہیں چلتا تھا کہ اس کے حلق میں گھس کر خود یہ کہہ ڈالیں اور اس کی جان کو مٹھی میں کر لیں کہ پہلے کہہ پھر تیری جان نکلے گی ورنہ رہ جان کنی کے عالم میں۔

عرش و فرش پر موجود آنکھ والے اس تماشے کو دیکھتے ہوں گے۔

قومیں کیسے عذاب کی مستحق پاتی ہیں۔۔۔ بستیاں کیسے زمین میں دھنسا دی جاتی ہیں۔۔۔ اس تماشے کو دیکھ کر جانا جا سکتا تھا۔

ایک عورت نے آگے بڑھ کر اس کے گال پر دونوں ہاتھ مار کر کہا" صدری۔۔۔ بول۔۔۔ بولتا کیوں نہیں۔۔۔ بول"

صدری نے جیسے آخری بار آنکھیں کھول کر ان سب کو دیکھا، اور جیسے اسے حکم دیا گیا۔۔۔ بولنے کا۔۔۔

"خ۔۔۔ خدا۔۔۔ خ۔۔۔ خد۔۔۔ بھوکوں۔۔۔ ک۔۔۔ کے۔۔۔ پیٹ۔۔۔ کبھی۔۔۔ نہ۔۔۔ نہ۔۔۔ بھرے۔۔۔"

اس سے بڑھ کر دعا کوئی نہ تھی۔۔۔ اس سے بڑھ کر کوئی بددعا نہ تھی۔۔۔

کمرے کی چھت پر موجود بلیوں نے ایکدم سے رونا شروع کر دیا

کہتے ہیں جانور موت کی بو سونگھ لیتے ہیں۔۔۔ اور موت سے پہلے ہاہاکار مچا دیتے ہیں۔ لیکن وہ پہلے نہیں بعد میں روئیں۔۔۔ وہ صدری کے لیے نہیں صدری کے گاؤں والوں کے لیے روئیں۔۔۔

کتا اٹھا اور گھر سے باہر۔۔۔ گاؤں سے باہر چلا گیا۔۔۔

عرش پر جیسے فرشتوں کو نئے احکامات لکھوائے گئے۔۔۔

"اناج کے دریا بہا دو، کھیت کھلیان ہرے بھرے رکھو، بیماری اور دکھ تکلیف سے کسی کا واسطہ نہ رہے، ان کے پیٹ بھرے رہیں اور انہیں اور بھوک لگتی رہے لیکن انہیں اور اور ملتا رہے۔ انہیں سب ملتا رہے، کسی بھی غرض کو لے کر انہیں میرے دربار نہ آنا پڑے۔ ان کے ہاتھوں کو حاجات روی کے لیے اٹھنے سے پہلے ہی ان کی جھولیاں بھر ڈالو اور پھر ان پر مہر لگا دو۔۔۔ "خدا ان سے بے زار ہے۔"

اور پھر پنڈ ہاساں شاد اور آباد ہو گیا۔۔۔ اس کی خوشحالی نے دنیا والوں کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا خود انہیں یاد نہ رہا کہ انہیں کب ہاتھ اٹھا کر مانگنے کی حاجت پیش آئی تھی۔۔۔ آخری بار کب۔۔۔

اور آخری بار کب کسی فقیر، ولی، صوفی کا اس گاؤں سے گزر ہوا تھا۔

شاید زمانے بیت گئے۔ وہ یہ جان نہ سکے کہ بزرگوں، ولیوں، صوفیوں، قطب، پرہیز گاروں، فقیروں میں یہ منادی کروادی گئی ہے کہ "وہ پنڈ ہاساں سے اپنا گزر ترک کر دیں اور اس سے منہ پھیر لیں اور اسے اپنی پشت دکھا دیں کیونکہ وہ مہر ثبت ہیں اور خدا ان سے بے زار ہے۔"